رسائل و مسائل

تحریکِ اقامتِ دین کے متعلق چند مسائل

سوال جماعتِ اسلامی کی شرکت کو اپنے لیے لازمی سمجھ لینے کے باوجود مجھے چند شبہات اپنے دل میں کھٹکتے محسوس ہو رہے ہیں۔ اگر ممکن ہو تو اپنی بصیرت سے ان الجھنوں کو صاف کر دیجیے۔ شبہات یہ ہیں:-

۱- آپ اپنی تحریروں کے ذریعے برسوں سے اقامتِ دین کی دعوت دے رہے ہیں۔ دو سال سے جماعت بھی قائم ہے۔ بقول آپ کے اس تحریک کے مزاج کے مطابق بہت تھوڑے آدمی ملے ہیں اور جو ملے ہیں ان میں وہ صفات بہت کم ہیں جن صفات کے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ یہ صفات لوگوں میں کیسے پیدا ہوا کرتی ہیں۔ جہاں تک اُمت کی تاریخ کا تعلق ہے، خلافتِ راشدہ کے بعد اقامتِ دین کی منظم تحریک کبھی بروئے کار آئی ہی نہیں۔ مجددین نے زبان و قلم یا جسم سے جو کچھ کیا، ذاتی طور پر کیا۔ شاید پورے اسلامی دور میں صرف حضرت سید احمد بریلوی کے زیرِ علم ایک منظم جہاد اس مقصد کے لیے کیا گیا۔ میں ان کے رفقاء کے عزم و عمل پر غور کرتا ہوں تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان میں وہ والہانہ اور مجنونانہ جذبۂ جوش کیسے پیدا ہوا۔ کسی جماعت میں وہ نشہ کیسے چڑھتا ہے جب وہ اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر دینا ہی اپنا عزیز فرض سمجھنے لگتی ہے؟ کیا یہ سب کچھ تحریری اور تقریری دعوت و تفہیم سے ہو جاتا ہے یا محض عمدہ اور صحیح لٹریچر فراہم کر دینے سے؟ میرا یہ خیال ہے کہ یہ سب چیزیں ذہنی اصلاح تو کر دیتی ہیں لیکن جنونِ عمل پیدا کرنے والی کوئی اور ہی چیز ہوتی ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ عہد کر کے اس کا حق ادا نہیں کرتے اور خلوص و ایثار کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا تو خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس جذبہ کو کیسے پیدا کیا جا سکتا ہے؟ میں آپ کا لٹریچر پڑھ کر اور قرآن حکیم کا

مطالعہ کر کے خود اپنے اندر یہ خواہش پاتا ہوں کہ میرے عمل میں انقلاب ہو۔ لیکن جس چیز کی ضرورت محسوس کرتا ہوں وہ پیدا نہیں ہوتی۔ معلوم نہیں وہ کونسی طاقت ہے جو اس ضرورت کو پورا کرتی ہے مگر اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ جب تک جماعت اسلامی میں یہ طاقت نمودار نہ ہوگی، شرکائے جماعت میں ایثار و عمل کا مطلوبہ جذبہ پیدا نہ ہوگا اور تحریک ٹھنڈی پڑ جائے گی۔

۲- ایک الجھن اقامتِ دین کی راہ کے نشانات اور مراحل کے متعلق پیدا ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں جس طرح کے مراحل دیے گئے ہیں، ان میں جس طرح کی رہنمائی ہوتی گئی اور جس طرح کی غیبی نصرت و تائید کا ظہور ہوتا گیا، ان سب میں ذات رسول اور وحی کی رہنمائی موجود تھی۔ اب یہ کون بتائے گا کہ ہمارے راستے کے مراحل کون کونسے ہیں اور ان کو کس کس طرح عبور کرنا ہے؟

۳- صحابہ کی زندگی کو دیکھیے تو تعجب ہوتا ہے کہ چھوٹے بڑے، اونچے نیچے، محتاج اور غنی مصیبتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک ہی خاندان کے رشتے میں پروئے گئے تھے۔ ایک کی تکلیف سب کی تکلیف ہوتی تھی اور ایک کا فاقہ سب کا فاقہ ہوتا تھا۔ ایک کا بوجھ اٹھانے کے لیے سب کے بازو حرکت میں آجاتے تھے۔ مگر ہمارا حال کیا ہے؟ اگر ہمارے بچے فاقہ کشی کر رہے ہیں اور ہم فکر معاش میں بدحواس ہو رہے ہیں تو ہم اپنے رفیقوں کے ساتھ کیسے چل سکتے ہیں جو ان مشکلات کی تلخیوں سے ناآشنا ہیں۔ کبھی کبھی اس الجھن میں پڑ جاتا ہوں کہ وہ زندگی جو عہد رسالت میں صحابہ کے اندر پیدا ہو گئی تھی، اس عہد کے لیے خاص نمونہ تھی۔ کبھی یہ خیال گزرتا ہے کہ اس زندگی کی فطرت ہی ایسی ہے کہ یہ عام نہیں ہو سکتی۔ میں سوچتا ہوں کہ ہمیں اپنے جذبۂ رفاقت کو اتنا زوردار بنانا چاہیے کہ جماعت ایک خاندان کی شکل اختیار کر جائے اور جماعت کے استحکام کے لیے یہ ایک لازمی چیز ہے۔

جواب ۱- اس مسئلہ پر میں خود برسوں غور کرتا رہا ہوں اور آخر کار اُس مختصر سے فقرے نے جو عام طور پر مسلمانوں کی زبانوں پر چڑھا ہوا ہے، مجھے مطمئن کر دیا، یعنی "السعی منی والاتمام من اللہ"۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم جس بات پر مامور ہیں وہ صرف یہ ہے کہ مختلف راہوں میں سے اس راہ کو اپنے لیے منتخب

ایسی جسے صراطِ مستقیم کہا گیا ہے، اور اپنی تمام ممکن سعی وجہد اس پر چلنے میں صرف کر دیں۔ اس کے بعد اسباب کی فراہمی اور رہ نوردی کی قوت اور مشکلاتِ راہ کی تسہیل، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق پر منحصر ہے۔ میں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ اگر بڑے پیمانہ پر سعی کرنے اور بلند درجے پر پہنچنے کی توقع نہ ہو تو ہم صحیح راہ کو چھوڑ کر کسی ایسی غلط راہ کی طرف چل پڑیں جس میں کچھ بڑے اور بلند درجے کا کام کیا جاسکتا ہو۔ ہمیں بہرحال صحیح کام کرنا ہے، خواہ وہ بڑے پیمانے پر ہو یا چھوٹے پیمانے پر۔

یہ تو اس معاملہ کا ایک پہلو ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ جن غیر معمولی اخلاقی قوتوں کی اس کام کے لیے ضرورت ہے اور جیسی مؤثر شخصیت یا شخصیتیں اس کام میں جان ڈالنے کے لیے ضروری ہیں وہ بہرحال حجروں میں پیدا نہیں ہوسکتیں بلکہ اس راہ کی عملی جدوجہد کے نتیجہ ہی میں پیدا ہوا کرتی ہیں۔ ابھی اس سعی کی ابتدا ہے اور آزمائش کے لمحات بہت کم آئے ہیں، اس وجہ سے اس سعی کے مردم ساز اثرات آپ کے سامنے پوری طرح نمایاں نہیں ہوسکے ہیں۔ لیکن آگے چل کر جیسے جیسے امتحان کے مواقع سامنے آتے جائیں گے، آپ دیکھیں گے کہ جو لوگ اللہ سے گہرا تعلق رکھنے والے نہیں ہیں وہ کسی نہ کسی امتحان کی گھڑی پر اپنی کمزوری کے خود شکار ہو جائیں گے اور راستے سے ہٹ جائیں گے، اور جن لوگوں کو فی الواقع اللہ سے تعلق ہوگا وہ نہ صرف یہ کہ ایک ایک امتحان کے موقع پر کامیاب ہوں گے بلکہ ہر امتحان ان کی سیرت میں ایک نئی طاقت پیدا کر دے گا، ان کے اندر کی بہت سی کھوٹ نکال دے گا اور بالآخر وہ زرِ خالص بن جائیں گے۔ پھر رفتہ رفتہ انہی لوگوں میں پارس کی سی خصوصیات پیدا ہو جائیں گی کہ جو ان سے چھو گیا وہ سونا بن گیا۔ بہرحال میں اس معاملہ میں مطمئن ہو چکا ہوں کہ اس کام کو شروع کرنے سے پہلے مکمل شخصیت یا شخصیتوں کی شرط لگانا غلط ہے۔ یہ شرط کبھی متحقق نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اس کے برعکس صحیح یہ ہے کہ ایک مرتبہ خلوصِ نیت کے ساتھ یہ کام شروع کر دیا جائے تو رفتہ رفتہ یہی کام خود مکمل شخصیتیں بناتا چلا جاتا ہے اور جتنا جتنا یہ اپنی تکمیل کے مراحل کی طرف بڑھتا ہے اتنی ہی بلند تر شخصیتیں اس کے کارکنوں میں سے ابھرتی چلی آتی ہیں۔ سمندر کی موجوں سے لڑنے کے لیے آپ ایسے آدمی کبھی نہیں لاسکتے جو سمندر کے اندر اترنے سے پہلے اس کی موجوں سے لڑنے کی قوت فراہم

کرچکے ہوں۔ یہ قوت تو بہر حال سمندر میں کودنے اور موجوں سے لڑنے ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ جو کمزور ہیں وہ اسی سمندر میں ڈوب مرتے ہیں اور جن کے دست و بازو میں اس نے قوت پیدا کی ہے وہ تھپیڑے کھا کھا کر اور موجوں سے لڑ لڑ کر بالآخر پیراکوں کے پیراک بن جاتے ہیں۔

۲۔ اقامت دین کی راہ کے مراحل متعین نہیں ہیں، بلکہ ان مراحل کو جدوجہد، اور وہ حالات جو جدوجہد کے دوران میں پیش آئیں، اور وہ بصیرت جو اسلام کی روح کو سمجھنے والے رہنما کے اندر ہوتی ہے، یہ سب چیزیں مل جل کر متعین کرتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں میں بھی ہم کو یہی نظر آتا ہے کہ سب کے سب ایک ہی قسم کے مراحل سے نہیں گذرے ہیں۔ حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت یوسف اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ دراصل جو چیز درکار ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے مقصد متعین ہو اور ہمارے اندر وہ حکمت موجود ہو جو اس مقصد تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے اور ہم انبیاء علیہم السلام کے طریق کار کو اچھی طرح سمجھ کر عملاً جدوجہد شروع کر دیں۔ پھر جو جو مراحل سامنے آتے جائیں گے ان میں سے ہر مرحلہ کے تقاضوں کو ہم اپنی حکمت سے سمجھتے جائیں گے اور اللہ کے بھروسے پر ان کے لیے مناسب تدابیر اختیار کرتے جائیں گے۔

رہا آپ کا یہ خیال کہ پہلے تو وحی کی رہنمائی کام کرتی تھی اس لیے صحیح وقت پر صحیح تدبیر اختیار کر لی جاتی تھی، مگر اب کیا ہو گا؟ تو اس کا جواب قرآن مجید میں دے دیا گیا ہے کہ "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا"۔ وہ خدا جو پہلے رہنمائی کرتا تھا وہی اب بھی رہنمائی کرنے کے لیے موجود ہے۔ اس کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے والے موجود ہونے چاہییں۔ ہمارے اندر اگر ایک دو آدمی بھی ایسے موجود ہیں جو قرآن کی روح اپنے اندر جذب کر چکے ہوں، اور جماعت میں کم از کم ایک معتدبہ اکثریت ایسے لوگوں کی موجود ہے جو قلب سلیم کی نعمت سے بہرہ ور ہوں اور صحیح و غلط رہنمائی میں امتیاز کر سکتے ہوں اور جن میں صحیح رہنمائی کے لیے سمع و طاعت کا مادہ موجود ہو، تو ان شاء اللہ خدا کی رہنمائی بھی ہمیں ہر مرحلہ پر حاصل ہو گی اور ہم اس کی رہنمائی سے فائدہ بھی اٹھا سکیں گے۔

۳۔ صحابہؓ کی جماعت کے متعلق جو نقشہ تذکروں میں کھینچا گیا ہے اس میں ایک حد تک تو مبالغہ ہے اور ایک حد

تک حقیقت ہے۔ پھر جو حقیقت ہے وہ بھی پوری طرح اس وقت بر سر کار آئی تھی جب ایک طویل مدت کی جدوجہد نے ان کے اندر باہمی رفاقت کی اسپرٹ پیدا کر دی تھی۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ جو خصوصیات ان کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے زبردست رہنما کی رہنمائی سے چودہ پندرہ سال کی مسلسل تربیت کے بعد پیدا ہوئی تھیں، انھیں ہم پہلے ہی مرحلہ پر موجود دیکھنا چاہتے ہیں۔ پھر مدینہ طیبہ میں صحابہ کے درمیان رفاقت کی جو اسپرٹ تھی اس میں بہت بڑا دخل ان کی یکجائی کو بھی تھا۔ منتشر طور پر عرب کے مختلف حصوں میں جو لوگ پھیلے ہوئے تھے ان کے ساتھ وہ رفاقت ممکن نہیں تھی جو مدینہ میں کسرت آنے والے لوگوں کے ساتھ تھی۔ مگر یہاں ابھی تک ہماری اجتماعی زندگی سرے سے بنی ہی نہیں ہے۔ منتشر افراد ملک کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں جو ابھی ایک دوسرے سے آشنا تک نہیں۔ ان کے اندر آخر رفاقت کی وہ شان کیسے پیدا ہو سکتی ہے جو صرف یکجائی زندگی ہی میں ممکن ہے۔ بہرحال میں یہ چاہتا ہوں کہ جو لوگ ہمارے ہم خیال ہیں وہ عہد صحابہ کو مجرد کراماتوں اور معجزات کی اسپرٹ میں سمجھنے کے بجائے فطری اسباب کے مطابق سمجھنے کی کوشش کریں۔ ورنہ ہر وہ چیز جو اس دور میں پیدا ہوئی تھی اس کے متعلق ہم یہ چاہیں گے کہ بس وہ چشم زدن میں کرامت کے طور پر رونما ہو جائے اور جب وہ اس طرح رونما نہ ہو سکے گی تو ہمارے دل ٹوٹ جائیں گے۔ اس ذہنیت کے ساتھ ہم کبھی ان فطری اسباب کو فراہم کرنے کی کوشش کریں گے ہی نہیں جن سے وہ کیفیات یا کم از کم اس نوعیت کی کیفیات پیدا ہو سکتی ہیں۔ ملیے اور مل کر کام کیجیے اور مل کر اس راہ میں مصیبتیں اٹھائیے۔ پھر اگر اس طرز کی رفاقت کا ظہور نہ ہو تو البتہ آپ کو حق ہے کہ اس خدمت کی انجام دہی کے لیے معجزہ کی شرط لگائیں اور اپنے خدا سے مطالبہ کریں کہ اگر یہ خدمت ہم سے لینا چاہتا ہے تو معجزے صادر کرے۔

اس سلسلہ میں سوچنے والے اکثر جو غلطیاں کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اس کام میں جن جن چیزوں کی کمی محسوس کرتے ہیں اُن کا ذکر کچھ اس انداز سے کرنے لگتے ہیں گویا ان ساری کمیوں کو پورا کرنا اور تمام ضروری چیزوں کو مہیا کر دینا کسی اور کا کام ہے اور خود ان پر اس باب میں کوئی فرض عائد نہیں ہوتا۔ حالانکہ درحقیقت یہ کسی ایک شخص کا انفرادی کام نہیں ہے بلکہ ہم سب کا مشترک کام ہے اور اس میں کوئی شخص بھی محض چند خامیوں کی نشان دہی اور چند چیزوں کی ضرورت ظاہر کر کے اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خود اس کمی کو پورا کرنے اور اس چیز کو مہیا کرنے میں اپنے حصے کی خدمت انجام نہ دے جس کی ضرورت وہ بیان کرتا ہے۔